تشدد: سیاست نہیں انسان کی تذلیل ہے

تحریر: سہیل احمد لون

گرمیوں کا موسم دھیرے دھیرے رخصت ہو رہا ہے مگر ملک میں سیاسی درجہ حرارت کم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ NRO میں اس بات کی یقین دہانی کی گئی تھی کہ کم از کم ڈیڑھ دہائی تک مارشل لاء نہیں لگایا جائے گا اور باری باری اپنی باری لینے کے دوران کوئی کسی کو آؤٹ نہیں کرے گا۔ 30 اکتوبر 2011ء کے تاریخی جلسے کے بعد ملک کا سیاسی منظر نامہ تبدیل ہونا شروع ہو گیا ۔ کرکٹ میں قسمت کا دھنی کپتان اپنی باری لینے کے چکر میں میدان میں کود پڑا۔ سکرپٹ کے مطابق اس کی باری بنتی ہی نہیں تھی بے چارے نے اپیل پر اپیل کی مگر کسی نے آؤٹ نہیں دیا وہ امپائیر کی انگلی کھڑی ہونے کے انتظار میں کئی دن کنٹینر پر کھڑا رہا مگر کسی شائد سکرپٹ لکھنے والے نے اسے انگلی اٹھانے کی یقین دہانی کروا کر اس سے ہاتھ کر دیا۔ پاکستان کی سیاست سے اگر عمران خان کو نکال دیا جائے تو اس کا بھی وہی حال ہو گا جو سلطان راہی کی موت کے بعد لولی ووڈ کا ہوا۔ چار حلقوں کے معاملے میں دھرنے کے دوران عمران خان اگر وزیر اعظم کے استعفی کے مطالبے سے پیچھے ہٹ جاتے تو سکرپٹ تبدیل ہو سکتا تھا مگر عمران خان تو آئینے کے سامنے اپنے آپ کی بھی نہیں مانتے کسی کی کیا مانتے۔ وقت کی سوئی نے دھرنے کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ 35 پنکچرز کا دوعوی کرنے والے کے دھرنے کا غبارہ پنکچر ہو گیا اور پارلیمنٹ کے اسی ایوان میں لعنتیں طعنے سن کر بیٹھنا پڑا جس کو وہ دھرنے کے دوران غیر آئینی قرار دیتے رہے تھے۔ 35 برس کے مکارانہ سیاسی تجربے کے آگے 20 برس کا وکھری ٹائپ کا سیاسی تجربہ شکست کھا گیا اور ''جمہوریت'' کی گاڑی لندن زیر زمین ریلوے کی طرح پٹری پر رواں دواں رہی۔ بیس برس بین الاقوامی کرکٹ کھیلنے کے بعد بالا آخر ملک کے لیے ورلڈ کپ جیتنے والے کپتان پر سیاسی میدان میں بھی اپنے سامنے کھیلنے والے کو آؤٹ کرنے کا ایک اور موقع مل گیا۔ پانامہ لیکس نے عمران خان کے سیاسی غبارے میں دوبارہ گیس بھر دی جس کے بعد اس نے دوبارہ فضاء میں بلند ہونا شروع کر دیا۔ پانامہ لیکس سکرپٹ میں شامل نہیں تھا اس لیے سیاسی کہانی میں کرداروں کا رول تبدیل کرنا پڑا۔ عمران خان نے پانامہ لیکس کی انکوائری کے لیے میاں صاحب کو احتساب کے لیے پیش ہونے کا کہا ہے اور انہیں مزید وزیر اعظم ماننے سے بھی انکار کر دیا ہے۔ اپنے سیاسی ورکروں اور سپورٹروں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر اسلام آباد امپائیر کی انگلی کھڑی کروانے کی تیاری میں ہیں۔ اخلاقی طور پر تو الزام شدہ وزیر اعظم کو پہلے دن ہی مستعفی ہو کر احتسابی عمل میں گزرنے کے لیے پیش کر دینا چاہئے تھا مگر ایسا رواج ابھی ہمارے ہاں نہیں کہ اخلاقی اقتدار کو سیاسی اقتدار پر ترجیح دی جائے۔ ہمارے سیاسی اکابرین برطانیہ اکثر تشریف لاتے رہتے ہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہیں ہو گا جیسے ملاں کی دوڑ مسجد تک ہوتی ہے انکی سیاسی پناہ گاہ لندن ہی ہے۔ مگر انہوں نے کبھی یہاں سے اخلاقی قدریں اور قوم پرستی نہیں سیکھی۔ زیک گولڈ سمتھ جو حکمران جماعت کے اہم رکن بھی تھے اور ممبر آف پارلیمنٹ بھی۔ انہوں نے گزشتہ دنوں صادق خان کے مقابلے میں میئر لندن کا انتخاب بھی لڑا تھا۔ گزشتہ عام انتخابات میں زیک گولڈ سمتھ کو یہ اعزاز حاصل تھا کہ وہ اپنی جماعت میں سب سے زیادہ ووٹ لیکر کامیاب ہونے والے امیدوار تھا حیران کن طور پر اس نے اس وقت کے وزیر اعظم اور کنزویٹو جماعت کے سربراہ ڈیوڈ

کیمرون سے بھی زیادہ ووٹ اپنے حلقے سے لیے۔مگراس بات پر استعفی دے دیا کہ اس نے انتخابی مہم کے دوران اپنے حلقے میں یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ لندن ہیتھرو ایئرپورٹ کی توسیع یعنی تیسرا رن وے بننے کی مخالفت کرے گا۔اس کی جماعت نے اس کے مطالبہ تسلیم نہیں کیا اور رن وے کی توسیع کے کام کو نہ روکنے کا فیصلہ کیا۔آج Richmond کے حلقے میں اس کی سیٹ خالی ہونے کے بعد ضمنی انتخاب ہونے کی تیاری ہو رہی ہے۔زیک گولڈ سمتھ آزاد امیدوار کی حیثیت سے اسی حلقے سے دوبارہ انتخاب لڑے گا اور اخلاقی طور پر وہ عوام کے سامنے پہلے سے بھی زیادہ مضبوط امیدار ہوگا۔ڈیوڈ کیمرون نے بھی یورپی یونین میں رہنے یا نہ رہنے کی فیصلے کے لیے ریفرنڈم کے بعد وزارت عظمی سے استعفی دے کر 10 ڈاؤننگ سٹریٹ سے اپنا بوریا بستر اٹھالیا۔سابقہ کلچر سیکریٹری ماریہ ملر جب scandal Expenses کی زد میں آئیں تو انہوں نے بھی اپنا استعفی پیش کر دیا جس کے بعد ساجد جاوید کو یہ منصب سونپا گیا۔ماریہ ملر کو اس وقت کے وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کی حمایت بھی حاصل تھی اس کے باوجود اس نے اخلاقیات کو مدنظر رکھتے ہوئے وزارت اور سیٹ کو خیر باد کہا۔بیرونس سعیدہ وارثی نے برطانوی حکومت کی اسرائیل کی حمایت اور غزہ میں مظالم ہونے پر اپنا کردار ادا نہ کرنے پر حکومتی پالیسی کو "morally indefensible" کہہ کر استعفی دے دیا۔اس طرح کے درجنوں مثالیں کچھ عرصہ میں برطانیہ میں نظر آئیں جہاں اخلاقی قدروں کو بنیاد بنا کر اپنی وزارتوں سے استعفے دئے گئے۔ہمارے ہاں تو استعفی صرف بندوق یا بوٹ کی نوک پر ہی لیا گیا ہے اور اقتدار سے چمٹے رہنے کی بیماری ہی شاید ہمارے سیاسی رہنماؤں کی غیر طبعی موت کا نتیجہ ہے۔لیاقت علی خان، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل ضیاء الحق، بینظیر بھٹو کے بعد اب کس کی باری ہے وہ بھی سکرپٹ میں لکھا ہے اور باری کے اعتبار سے جس کی باری بنتی ہے وہ اپنی باری لے رہا ہے۔عمران خان ایک مرتبہ پھر میاں صاحب سے استعفے کا مطالبہ بھی کر رہے ہیں حالانکہ اس بات کو ہر غیر سیاسی انسان بھی جانتا ہے کہ میاں صاحب کبھی یہ کام نہیں کریں گے بہتر ہے عمران خان وزیر اعظم سے استعفی مانگ کر پھر سے شرمندہ نہ ہوں۔پاکستان کی سیاسی صورت حال آہستہ آہستہ چار دہائیاں قبل والے موڑ پر جا رہی ہے۔کیا اس وقت امریکہ نے جو مفاد حاصل کیا آج وہ چین حاصل کر پائے گا؟ کیا ہم چالیس برس بعد بھی اپنی خودمختاری کا مختار نامہ کسی اور کے ہاتھ میں دینے جا رہے ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر عمران خان جدوجہد کیوں کر رہا ہے' پھر نواز شریف اقتدار میں کیوں ہے؟ پاکستان بھر کے تمام اضلاع میں احتجاج اپنے زوروں پر ہے اور خوف کی فضا اسلام آباد کے گلی کوچوں میں بھی سرایت کر گئی ہے۔عمران خان کے ساتھ پاکستان کے نوجوانوں کی بڑی اکثریت ہے جو پُرجوش بھی ہیں اور کچھ کر گزرنے کیلئے بے تاب نظر آ رہے ہیں۔دوسری طرف حکومت نے بھی افہام وتفہیم سے کام لینے کے بجائے جبر کا رستہ اختیار کیا ہے۔جس کا نتیجہ انتہائی خوفناک صورت میں برآمد ہوگا۔2 نومبر تک صورت حال انتہائی سنگین ہو جائے گی اور اگر مزید تشدد کا کا رستہ اختیار کیا گیا تو یہ تحریک زور پکڑتی جائے گی اور آج اگر عمران خان استفعا مانگ کر شرمندہ ہو رہے ہیں کچھ بعید نہیں کہ آنے والے دنوں میں بگڑتے حالات نواز شریف شرمندہ ہونے پر مجبور ہو جائیں۔پاکستان پیپلز پارٹی اور جماعت اسلامی دبے لفظوں میں گرفتار ہونے والے سیاسی کارکنوں کے حوالے سے حکومت کی مذمت تو کر رہے ہیں لیکن کوئی ابھی تک کھل کر اُن کی حمایت کیلئے سامنے نہیں آیا۔مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ عمران خان کا یہ عمل دراصل 2018ء کے انتخابات کی تیاری ہے اور اگر وہ نواز شریف کا احتساب کروانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر اگلے الیکشن میں

عمران خان کی مقبولیت کا گراف بہت بلند ہو جائے گا لیکن ابھی تک چائے کے کپ اور ہونٹوں کے درمیان بہت فاصلہ ہے لیکن تمام تر سیاست اپنی جگہ پر لیکن انسان کا انسان پر تشدد کسی صورت قابلِ قبول نہیں ہونا چاہیے کہ یہ سیاست نہیں انسانیت کی تذلیل اور انسانوں کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے اور جمہوریت کے دعویداروں کو تو یہ بالکل زیب نہیں دیتا۔

تحریر: سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

26-10-2016